خدا سے مانگتے رہنا کبھی ضائع نہیں جاتا

خدا زندہ ہے۔ اسے ہر چیز کی خبر ہے۔ اس کی رحمت یہ گوارا نہیں کرتی کہ کوئی فریادی اس کے دراقدس پر آئے اور وہ خالی ہاتھ چلا جائے۔ یہ اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ مگر انسانوں میں سے کم ہی لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں۔ اس ناواقفیت کا سبب صرف اتنا ہے کہ لوگ اپنی محرومی کو یاد رکھتے ہیں، خدا کی عطا کو یاد نہیں رکھتے۔

انسانوں کا یہ عجیب المیہ ہے کہ نعمتوں کو محسوس کرنے اور انہیں یاد رکھنے کے معاملے میں انسانوں کی یادداشت آخری درجہ میں کمزور ہے۔ ہاں غم و آلام اور زندگی کی محرومیوں کا حساب کتاب رکھنے میں ہر شخص اتنا ماہر ہوتا ہے کہ ایک بھی محرومی اس کی یادداشت سے محو نہیں ہوتی۔ اس رویے کے ساتھ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان خدا کی کسی عطا کی قدردانی کرے۔

خدا سے جب بھی مانگا جاتا ہے وہ سنتا ہے۔ جب اسے پکارا جاتا ہے وہ جواب دیتا ہے۔ مگر ہم انسان ہمیشہ خدا کو دنیا مانگ کر آزماتے ہیں۔ وہ دنیا جو عطا کے نہیں امتحان کے اصول پر بنی ہے۔ چنانچہ امتحان میں کبھی وہ مانگی ہوئی چیز ہی دیتا ہے، کبھی اس سے بہتر دیتا ہے۔ کبھی فوراً دے دیتا ہے کبھی کچھ وقت کے بعد دیتا ہے۔ کبھی اپنی عطا سے جھولی بھرتا ہے اور کبھی اپنی سکینت قلب پر اتار کر اس میں سکون واطمینان بھر دیتا ہے۔ مگر وہ دیتا ضرور ہے۔ اسے مانگنے والوں کو نہ کہنا اچھا نہیں لگتا۔

کبھی خدا کو آزمانا ہو تو سچے دل سے ہدایت مانگ کر خدا کو آزمانا چاہیے۔ متاع دنیا تو بندے کی بہتری کے خیال سے روکی جاسکتی ہے۔ متاع آخرت روکنے میں کیا بہتری۔ ہدایت اور آخرت خدا ہر حال میں دیتا ہے۔ فوراً دیتا ہے۔ بس جھولی پھیلی رہنی چاہیے۔ تعصب چھوڑ دینا چاہیے۔ خدا ہر حال میں دیتا ہے۔ جو مانگا جاسکتا ہے وہ سب کچھ دیتا ہے کیونکہ خدا سے مانگتے رہنا کبھی ضائع نہیں جاتا۔

اسلام اور خواتین پر تشدد

کیا اسلام بیویوں پر تشدد کو جائز قرار دیتا ہے، یہ وہ بنیادی مسئلہ ہے جو قرآن مجید کے ایک طالب علم کے سامنے اس وقت آجاتا ہے جب وہ سورہ نساء کی آیت 34 کا مطالعہ کرتا ہے جس میں بظاہر عورتوں کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک اس معاملے کو سمجھنے کے لیے قرآنی آیات کا موقع محل سمجھنا ضروری ہے۔ میاں بیوی کے تعلق سے شوہروں کو جو اصل ہدایت دی گئی ہے۔ وہ اس آیت سے ذرا قبل اس طرح بیان ہوئی ہے۔

''ایمان والو! (اپنی بیویوں سے) بھلے طریقے کا برتاؤ کرو، اِس لیے کہ تمھیں وہ پسند نہیں ہیں تو ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اُسی میں تمھارے لیے بہت بڑی بہتری پیدا کر دے۔''، (النساء4:19)

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ہے وہ اصل آیت جو شوہروں کو حکم دیتی ہے کہ چاہے بیوی ناپسند ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ اس کے بعد بیوی کو مارنے کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ کمزور انسان اس دنیا میں ہر دور میں تشدد کا نشانہ بنتا رہا ہے۔ بیویاں اس ستم کا ہمیشہ نشانہ رہی ہیں۔ زمانہ قدیم کو تو چھوڑیے موجودہ دور میں امریکہ میں ڈیپارٹمنٹ آف جسٹس کی سن 2000 کی رپورٹ کے مطابق 22.1 فی صد خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہوئیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زمانہ قدیم میں کیا کچھ ہوتا ہوگا۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو ایک طرف گھر کا نظم برقرار رکھنے کے لیے بیوی کو شوہر کی موافقت پر ابھارنا ہے اور دوسری طرف مردوں کو تشدد سے باز بھی رکھنا ہے۔ چنانچہ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کی آیت 34 میں ارشاد فرمایا:

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اِس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اِس لیے کہ

مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اِس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔ اور جن سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو، اُنھیں نصیحت کرو، اور اُن کے بستروں میں اُنھیں تنہا چھوڑ دو اور (اِس پر بھی نہ مانیں تو) اُنھیں سزا دو۔ پھر اگر وہ اطاعت کریں تو اُن پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک، اللہ بہت بلند ہے، وہ بہت بڑا ہے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف خواتین کو موافقت پر پوری ابھارا ہے اور دوسری طرف شوہروں کی طرف سے مار پیٹ کے اس کام کو جو زمانہ قدیم کا عام دستور تھا ضوابط و قواعد کی ایسی بیڑیاں پہنا دیں کہ یہ تشدد نہیں رہتا بلکہ گھر بچانے کا ایک عمل بن جاتا ہے۔

اس ہدایت میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ ان کا تعلق عام خواتین سے بالکل نہیں ہے۔ بلکہ ان خواتین سے ہے جو نکاح کے سارے فوائد یعنی اپنی ضروریات کی ساری فراہمی کا فائدہ تو شوہر سے لینا چاہتی ہیں، مگر دوسری طرف سرکشی کا یہ حال ہے کہ گھر کے نظم کو برباد کرکے اور شوہر کے راز اور انسانی کمزوریاں سب کے سامنے کھول کر اسے رسوا کرنے کے لیے بھی تیار رہتی ہیں۔ یہ وہ خواتین ہیں جن کا مسئلہ اختلاف رائے، اپنی پسند و ناپسند نہیں ہے بلکہ بغاوت، مستقل نافرمانی اور شوہر کو رسوا کرنے کا ہے۔ ایسے میں شوہر کے لیے ایک راستہ فوری طلاق دینے کا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بچے ہو جانے کے بعد یہ راستہ آسان نہیں رہتا۔ چنانچہ ایسی خواتین کو پہلے مرحلے میں سمجھایا جائے گا۔ پھر شوہر جس غرض سے عورتوں سے شادی کرتے ہیں، اس کو بھی چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی بستروں میں ان سے الگ ہو جانے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت سخت پیغام ہے جس میں شوہر بیوی کے حقوق تو دیتا ہے مگر اپنے حقوق چھوڑ دیتا ہے۔

اس کے بعد گھر بچانے کے لیے اور عورت کی نفسیات کو جھنجھوڑنے کے لیے ایک آخری راستہ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ان کو کچھ سزا دی جاسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نوعیت کو

بالکل واضح کرتے ہوئے بتادیا کہ یہ کسی قسم کا تشدد نہیں ہوگا بلکہ جیسے ایک ماں اپنے بچے کی تادیب کے لیے کچھ ہلکی پھلکی ضرب لگادیتی ہے اتنا ہی معاملہ ہونا چاہیے۔حدیث کے الفاظ 'غیر مبرح' کے ہیں یعنی وہ سزا جو پائیدار اثر نہ چھوڑے، (مسلم، رقم 2950)۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان آیات کا تعلق عام خواتین سے ہرگز نہیں جیسے کہ قرآن واضح ہے کہ اصل ہدایت یہ ہے کہ بیوی چاہے ناپسند ہو تب بھی اس سے اچھا برتاؤ کرو۔اس ہدایت کا تعلق کچھ سرکش خواتین سے ہے جو نکاح میں رہنا بھی چاہتی ہیں اور شوہر کے خلاف مستقل اعلان جنگ بھی کیے رکھتی ہیں۔ چنانچہ ان کی اصلاح کے لیے یہ ایک لائحہ عمل دیا گیا ہے نہ کہ ان پر تشدد کے لیے۔اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

رہی یہ بات کہ زیادتی اگر شوہر کر رہا ہو تو اس کو روکنے کا کیا طریقہ ہے۔کیا ریاست کو اس میں مداخلت کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک اس کا بہتر حل وہ ہے جو خود قرآن مجید نے اگلی آیت یعنی 35 میں تجویز کردیا ہے کہ دونوں کے خاندان بڑے بوڑھے آگے آئیں اور معاملات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ یہ ریاست کی مداخلت سے بہتر راستہ ہے۔تاہم اگر شوہر بیوی پر تشدد شروع کردے تو پھر ریاست کو مداخلت کرنا ہوگی۔ پھر اس شخص کو سزا ملنی چاہیے۔ یہ سزا ایک شوہر کو نہیں ایک ظالم کو ملے گی۔آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ اس آیت کا ایک واضح پیغام شوہروں کے لیے ہے۔ وہ یہ کہ انھوں نے اِن ابتدائی دو مراحل اور بیویوں کی بغاوت اور سرکشی کی کسی کیفیت کے بغیر محض غصے میں آکر، معمولی اختلاف رائے پر بیویوں پر ہاتھ اٹھایا تو وہ اللہ کے مجرم ہیں۔ وہ بلند اور اعلیٰ ہستی جب کمزور بیویوں کی طرف سے حساب لے گی تو شوہروں کو اپنا غصہ اور تشدد بہت مہنگا پڑے گا۔

انتخاب اور استعمال

قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کرتے ہیں۔ یہ انتخاب انبیا و رسل کا بھی ہوتا ہے، فرشتوں کا بھی ہوتا ہے اور افراد اور گروہوں کا بھی ہوتا ہے۔

تاہم قرآن و حدیث پر تدبر سے ایک دوسری حقیقت بھی سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات صالحین کے بجائے کمتر چیزوں اور برے لوگوں کو بھی اپنے کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعمال کسی خیر کے کام کے لیے بھی ہوتا ہے اور کبھی دین کی نصرت و تائید کے لیے بھی۔ قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے حقیر چیزوں کو استعمال کر کے بھی اپنے مدعا کو بیان کرتا ہے۔ یا ایک صحیح روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد رجلِ فاجر سے بھی کر دیتے ہیں۔

پہلی چیز کے لیے ہم نے انتخاب کا لفظ استعمال کیا ہے اور دوسری کے لیے استعمال کا۔ پہلی چیز کا تعلق چونکہ تشریعی امور سے ہے اس لیے قرآن مجید میں اس کا با قاعدہ اعلان کر کے واضح کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری کا تعلق تکوینی امور سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا کا نظام چلانے کے لیے بہت سے انتظامی فیصلے کرتے ہیں جس میں بعض چیزیں ویسے نہیں ہوتیں جیسے بظاہر ہونی چاہییں۔ ان میں سے بعض چیزوں کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں واقعہ موسیٰ و خضر میں کھولی ہے۔ تاہم تفصیل سے اس پر قرآن مجید میں بات نہیں کی گئی ہے۔ البتہ تاریخ میں اور اپنی عملی زندگی میں بارہا ایسے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں۔

اس معاملے کو ایک عملی مثال سے سمجھیں۔ دنیا کا ہر مذہبی شخص چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم خدا کے نام پر کھڑا ہوتا ہے۔ یہی معاملہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں کا ہے۔ ہر شخص خدا

کا نام لیتا ہے۔ بزعم خویش خود کو خدائی فوجدار سمجھتا ہے۔ اپنے نقطہ نظر کو آخری حق اور اپنے فرقے کو فرقہ ناجیہ قرار دیتا ہے۔ ہر ہر مسلمان، یہودی، عیسائی، ہندو، قادیانی، شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث وغیرہ کو یہی یقین ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نمائندگی کر رہا ہے۔

اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ بیک وقت سب کے سب لوگ حق پر ہوں۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر گروہ سے کچھ نہ کچھ خیر بھی پھوٹ رہا ہوتا ہے۔ مثال کے طور مشرکین مکہ حرم اور زائرین حرم دونوں کی خدمت کرتے تھے۔ یا پھر انیسویں صدی میں جب الحاد کا ظہور ہوا تو اس کے خلاف وجود باری تعالیٰ کے حق میں سب سے بڑھ کر مدلل دلائل مسیحی اہل علم نے پیش کیے جو بہت بڑی خدمت تھی۔ چنانچہ اس طرح کے خیر کی یہی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ کچھ لوگوں کا انتخاب ہوا اور اور کچھ لوگ استعمال ہو رہے ہیں۔

یہ بات اگر واضح ہے تو دین کے نام پر کھڑے ہر شخص کے لیے ایک سخت خوفناک صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے دل میں خدا کا معمولی سا بھی خوف ہے تو اس پر یہ سوچ کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے کرایا جانے والا دینی کام انتخاب کے اصول پر ہو رہا ہے یا استعمال کے اصول پر۔ وہ اگر انتخاب کے اصول پر کھڑا ہے تو اپنا اجر اپنے رب سے پائے گا۔ اور اگر وہ استعمال کے اصول پر کھڑا ہے تو یہ طے ہے کہ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے سوا اس کے حصے میں کچھ نہیں آئے گا۔ چاہے وہ خود کو کتنا ہی نیک سمجھے۔ چاہے اس کے پیروکار اسے کتنی ہی عزت و توقیر کا مقام عطا کریں۔

تاہم ایک ذریعہ ایسا ہے کہ قیامت سے قبل ہی ہر شخص اپنے بارے میں یہ جان سکتا ہے کہ اس سے ظہور پذیر ہونے والا خیر انتخاب کے اصول پر پھیل رہا ہے یا استعمال کے اصول پر۔ یہ طریقہ ہے کہ اپنا بے رحمانہ احتساب کرنا۔ اپنے پیدائشی فرقے، اپنے موجودہ نقطہ نظر کو حق کا

معیار بنانے کے بجائے اس سچائی کو معیار سمجھنا جو خارج میں موجود ہے۔سچائی کی یہ تلاش ہی انسان کو وہ انکساری دیتی ہے کہ انسان اپنی غلطی کو فوراً مان لیتا ہے۔ وہ اپنی اصلاح فوراً کر لیتا ہے۔اپنے فکر و عمل کی دنیا میں مسلسل بہتری لاتا ہے۔

ایسے شخص کو اپنا مذہب تبدیل کرنا پڑے تو وہ بڑے حوصلے سے یہ کام کر لیتا ہے۔اسے فرقہ چھوڑنا پڑے تو اطمینان کے ساتھ اسے چھوڑ دیتا ہے۔اپنے نقطہ نظر کی غلطی ماننی ہو تو بلا جھجک مان لیتا ہے۔اس کے برعکس جو لوگ استعمال کے اصول پر خدا کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں، ان کے سامنے وقت کا پیغمبر بھی آ کر کھڑا ہو جائے تو وہ اپنی رائے اور نقطہ نظر نہیں بدلتے۔ وہ دلیل اور سچائی کو بے معنی نکتہ آفرینی سے چٹکیوں میں اڑانے کو اپنے علم و فن کی معراج سمجھتے ہیں۔ وہ حق اور سچ کے متعلق ایک لمحے کے لیے بھی یہ سوچنے کو تیار نہیں ہوتے کہ وہ ان کے سوا کہیں اور بھی ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ مذہب کی تبدیلی جیسے بہت مشکل عمل سے گزرنے سے بچا لیے گئے ہیں۔ وہ پیدا ہی دین حق پر ہوئے ہیں۔تاہم ہر مذہبی مسلمان کسی نہ کسی فرقے اور خاص نقطہ نظر سے ضرور وابستہ ہوتا ہے۔یہیں پر اس کا امتحان ہوتا ہے۔اس پر لازم ہے کہ وہ سچائی کی تلاش کو خود پر لازم کر لے۔ یہ نہ کر سکے تو جب سچائی چل کر اس کے سامنے آئے تو پہلے لمحے میں اسے رد کرنے کے بجائے اس پر اور اس کے دلائل پر پوری سنجیدگی سے غور کرے۔ جو لوگ یہ کریں گے اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کا انتخاب کر کے ان کے ذریعے سے انسانیت تک سچائی پہنچائیں گے۔اور آخرت میں وہ جنت کی سرفرازی اور عزت سے ہمکنار ہوں گے۔جبکہ وہ لوگ جو اندھے اور بہرے بن کر ہر سچائی کا سامنا کرتے ہیں، وہ اس دنیا میں تو استعمال کیے ہی گئے ہیں، کل قیامت کے دن بھی وہ استعمال ہوں گے......جہنم کی رونق بڑھانے کے لیے۔

یہ بات دور تک جائے گی

پچھلے چند دنوں میں کچھ اہم واقعات ایک ساتھ ہوئے۔ پنجاب اسمبلی سے خواتین کے تحفظ کا بل اہل مذہب کی مخالفت کے باوجود پاس ہوگیا۔اس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک عالم دین نے جب خواتین پر تشدد کے حوالے سے فلم سازی کرنے والی خاتون کو فاحشہ قرار دیا تو اس پر اتنا سخت ردعمل ہوا کہ ان کو تحریری معذرت کرنا پڑی۔ پھر آج ممتاز قادری کو پھانسی دے دی گئی۔ یہ گویا معاشرے اور ارباب اقتدار کی طرف سے اہل مذہب کو کھلا پیغام تھا کہ اب مذہب کے نام پر بدزبانی اور لاقانونیت کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

یہ واقعات بتارہے ہیں کہ سن اسی کی دہائی میں شروع ہونے والا اہل مذہب کا ہنی مون اب ختم ہورہا ہے۔ گرچہ اگلے کچھ برسوں تک اہل مذہب کی قوت بظاہر بڑھے گی لیکن ان سے کہیں زیادہ مغربی تہذیب اس معاشرے میں جڑیں پکڑتی چلی جائے گی ۔اس صورتحال کو پیدا کرنے میں خود اہل مذہب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ خدا کی دنیا میں فکری کمزوریوں اور اخلاقی کوتاہیوں کی قیمت بہرحال دینا پڑتی ہے۔ اور اب اہل مذہب کو یہ قیمت دینا ہوگی۔ وہ جتنی زیادہ حماقتیں کریں گے، اتنی ہی بھاری قیمت ادا کریں گے۔

لیکن اہل مذہب کی اس شکست کو اسلام کی شکست سمجھ کر بغلیں بجانے والوں کے لیے بھی خوشی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ خاطر جمع رکھیے، اہل مذہب کی شکست میں آپ کے لیے خوشی کا کوئی سامان نہیں۔ پروردگار عالم صرف مسلمانوں کی قیادت تبدیل کررہے ہیں۔ وہ اس سے پہلے بھی یہ بار بار کرتے رہے ہیں۔ ہر دفعہ خدا کا نیا لشکر شیاطین کو صدیوں کے لیے سائڈ لائن کرتا رہا ہے۔ مگر اس دفعہ اس سے بھی کچھ بڑا ہونے جارہا ہے۔ اس دفعہ دنیا پر آخری اتمام حجت ہونے جارہا ہے۔ یہ بات بڑی بات ہے۔ یہ بات اب بہت دور تک جائے گی۔

عشق اور خوف

قران مجید کا ہر طالب علم یہ بات جانتا ہے کہ خدا کی کتاب اس کے خوف کے بیان سے بھری ہوئی ہے۔ بلا مبالغہ سیکڑوں مقامات پر تقوی یا خوف خدا کا ذکر ہے۔ ان گنت مقامات پر خدا سے ڈرنے کا حکم ہے لیکن ایک مقام پر بھی خدا سے محبت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی محبت تو ہر انسان کے دل میں پیدائشی طور پر ہوتی ہے، مگر بیشتر لوگوں کے دل خدا کے خوف سے خالی ہوتے ہیں۔ خوف خدا سے خالی شخص اپنے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ اور بہت اطمینان سے یہ امید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔ اسی غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے قرآن میں بے گنتی تقویٰ اور خوف خدا کا ذکر ہے، مگر حیرت انگیز طور پر ہماری مذہبی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ ہم سب خدا کے خوف سے خالی رہتے ہیں۔ البتہ عشق و محبت کی حرارت ہم میں کوٹ کوٹ کر بھر جاتی ہے۔

خدا کے خوف سے خالی محبت کے نتائج کیا نکلتے ہیں، آیئے اس کو سلمان تاثیر اور ممتاز قادری کی مثال سے سمجھتے ہیں۔ کچھ عرصے قبل سلمان تاثیر نے ملک میں نافذ توہین رسالت کے قانون کے بارے میں سخت کلمات کہے۔ تاہم یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا، وہ ملک میں موجود قانون کو کہا۔ ان کے الفاظ سرکار دو عالم کے بارے میں ہرگز نہیں تھے۔

تاہم عشق کی فضا میں ہر کسی نے اس اہم اور بنیادی فرق کو نظر انداز کر دیا۔ ان کو گستاخی رسول کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ ایک مہم چلائی گئی اور آخر کار ممتاز قادری نے جوش میں آ کر ان کو قتل کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ہماری تربیت اگر عشق کے بجائے قرآن مجید کے اصول خوف خدا پر ہوتی تو ہم سب کا ردعمل کیا ہوتا۔

ایسی صورت میں ہم سب کا ایک ہی ردعمل ہوتا۔ ہم سب قرآن مجید کا وہ حکم یاد کرتے جس

میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہو، احزاب (70:33)

ہم سب یہ کہتے کہ ہمیں گرچہ ان کی بات سے اختلاف ہے، مگر ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم سیدھی سچی بات کہیں۔ اور وہ بات یہ ہے کہ انھوں نے جو کہا قانون کو کہا۔ سرکار کی بارگاہ میں کوئی گستاخی نہیں کی تھی۔ یہ بھی سچائی ہے کہ توہین رسالت کا موجودہ قانون نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ جس عالم کی یہ آراء پر مبنی ہے یعنی امام ابن تیمیہ ان کو بریلوی اور اہل تشیعہ گویا اس ملک کی اکثریت گستاخ رسول ہی سمجھتی ہے۔ یہ بھی سچائی ہے کہ اس ملک کی اکثریت جس فقہ کی پیروکار ہے یعنی فقہ حنفی ان کے ہاں توہین رسالت کے حوالے سے قانون ہمارے موجودہ قانون سے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک اس جرم کے مرتکب کو مرتد سمجھا جاتا ہے اور قتل سے پہلے توبہ کا ایک موقع دیا جاتا ہے۔ یہ کام بھی ریاست کے کرنے کا ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جو خدا کا خوف رکھنے والا ہر شخص بیان کرنے پر مجبور ہے۔ اس لیے کہ انسان زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں۔ مگر خدا کی پکڑ اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ جب وہ آگ میں ڈالے گا تو انسان کو موت نہیں آئے گی۔ آدمی چیختا رہے گا، روتا رہے گا، چلاتا رہے، مگر اس کی فریاد کوئی نہیں سنے گا۔ یہاں تک کہ انسان کی کھال اتر جائے گی۔ پھر حکم ہوگا۔ نئی کھال چڑھائی جائے گی اور ایک دفعہ پھر اٹھا کر آگ میں پھینک دیا جائے۔ کوئی رحم نہیں ہوگا۔ کوئی ترس نہیں کھائے گا۔ اس روز آدمی یاد کرے گا کہ رب ذوالجلال سے بے خوف ہونے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ آہ مگر یہ یاد کرنا کچھ کام نہ آئے گا۔

مگر یہ حقائق ہم سب بھول چکے ہیں۔ ہم بھول چکے ہیں کہ حق کی شہادت دینا ہم پر فرض ہے۔ ہم یہ کام نہیں کریں گے تو ہم پر لعنت کر کے اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے دوسرے لوگوں کو اٹھا دے گا۔ اور کوئی اس کو ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا۔

اللہ کا فیصلہ

میرے مضمون ''عشق اور خوف'' کے حوالے سے جس طرح اس ملک میں طریقہ ہے، لوگوں نے اصل بات کو چھوڑ کر غیر متعلقہ باتیں شروع کر دیں۔ اس لیے میں اپنا نقطہ نظر بالکل واضح کرنا چاہتا ہوں جو برسہا برس سے میں لکھتا رہا ہوں۔ میں اس ملک میں قانون توہین رسالت کے نافذ ہونے کے حق میں ہوں۔ مگر میں اس کے سخت خلاف ہوں کہ گستاخی رسول کے فیصلے سڑکوں پر ہجوم کرے یا کوئی شخص قانون کو ہاتھ میں لے کر یہ فیصلہ خود کر دے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے پس منظر کے اعتبار سے ایک بریلوی ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ اس ملک میں گستاخی رسول کا اصل الزام غیر مسلموں پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے بعض گروہوں یعنی اہل حدیث اور دیوبندیوں پر ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ امام ابن تیمیہ سے لے کر شاہ اسماعیل اور مولانا نانوتوی سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی، ڈاکٹر اسرار سے لے کر مولانا مودودی، مولانا طارق جمیل سے لے کر مولانا جنید جمشید تک سب لوگ کسی نہ کسی پہلو سے گستاخ، اسلام سے خارج اور کافر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے خلاف فتوے موجود ہیں۔ بلکہ اب تو ہر شخص یوٹیوب پر جا کر یہ سب سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے۔

ایسے میں انھی کے پیروکاروں کو قانون ہاتھ میں لینے کی حوصلہ افزائی کرتا ہوا دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہا جائے۔ خدا کا خوف دلا دلا کر تو میں تھک گیا ہوں۔ اب یہی کہوں کہ اللہ سے نہیں ڈرتے تو بندوں ہی سے ڈرو۔ اس وقت سے ڈرو جب آپ لوگوں کے فیصلے بھی سڑکوں پر ہونے لگیں۔ خدارا کسی کو تو ہوش سے کام لینا ہوگا۔ یہ جنون کب تک رہے گا؟

ہمارا کام سمجھانا ہے سمجھا رہے ہیں۔ فیصلہ کرنا لوگوں کا کام ہے۔ آپ فیصلہ کر لیں۔ اس کے بعد اللہ بھی فیصلہ کریں گے۔ بس یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اس کے فیصلے کی تاب نہیں لا سکتے۔

سوال و جواب

ابو یحییٰ

بچوں کا کھانا کتوں کو کیوں دیا جائے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

سر میں آپ کا نیا ناول ''آخری جنگ'' پڑھ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ یہ ایک اور شاہکار ہے اور بہت متاثر کن اور معلوماتی بھی ہے۔ برائے کرم ناول میں عورت کے اس جواب اور اللہ پاک سے سب کچھ پانے کے اس پیغام کی ذرا وضاحت کر دیجیے مجھے اس کی سمجھ نہیں آ رہی۔ یقیناً یہ کوئی بہت گہرائی کی بات ہے لہٰذا آپ ذرا وضاحت فرما دیجیے، آمنہ فاروق۔

''ایک دفعہ ایک عورت جو یہودی نہیں تھی، ان کے پاس آئی۔ اس کی بیٹی بہت بیمار تھی۔ اس نے آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ اس عورت نے بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا۔ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں ڈالتے۔

عبداللہ یہاں تک پہنچ کر رک گیا۔ پھر داؤد کی طرف دیکھا جو بڑی دلچسپی سے یہ سن رہا تھا۔

جانتے ہو داؤد اس عورت نے حضرت عیسیٰ کو کیا جواب دیا۔

کیا جواب دیا؟

عبداللہ نے میز پر رکھی ہوئی روٹی ہاتھ میں اٹھائی اور کہا۔

اس عورت نے ایک کمال کا جواب دیا۔ یہ جواب جس کو دینا آجائے وہ خدا سے سب کچھ پا سکتا ہے۔ اس نے کہا: آقا! کتے بھی تو وہی روٹی کھاتے ہیں جو مالکوں کی میز سے گر جاتی ہے۔

یہ کہہ کر عبداللہ لمحے بھر کو رکا اور بھر پور تاثر کے ساتھ کہا:

پھر اس عورت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بدل دیا۔ حضرت عیسیٰ نے اس عورت کی بیٹی کو ٹھیک کر دیا۔‘‘

جواب:

فیڈ بیک کا بہت شکریہ۔

عورت کی اس بات کا مطلب یہ تھا کہ کتوں کا حق نہیں ہوتا کہ مالک کی روٹی ان کو دی جائے لیکن ان کو حق کی بنیاد پر نہیں ملتا بلکہ مالک مہربانی کر کے بچی ہوئی روٹی کتوں کو ڈال دیتے ہیں۔ جیسے ہم کھانا کھانے باہر جاتے ہیں تو بلیاں اکثر آ کر بیٹھ جاتی ہیں اور ہم اپنی بچی کھچی ہڈیاں ان کے آگے ڈال دیتے ہیں۔

اگر انسان محتاج ہو کر بھی اتنا رحم دل ہو سکتا ہے تو اللہ رب العالمین جس کے قبضے میں سارے خزانے ہیں اور جو کبھی ختم نہیں ہوں گے، تو اس کی رحمت کے کیا کہنے ہیں۔ وہ ایسا کیوں نہیں کرے گا کہ جب ہمارا حق نہ بھی ہو تو اپنے فضل سے ہمیں اس وجہ سے عطا کر دے کہ ہم اس سے فریاد کر کے مانگ رہے ہوں۔ چنانچہ جو بندہ اس یقین کے ساتھ اللہ سے مسلسل مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ اسے بغیر حق کے بھی سب کچھ دے دیتے ہیں، کیونکہ ان کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

دنیا میں انسانی کردار اور آخرت میں اجر

سوال:

ا۔ کیا وہ لوگ جو اس دنیا میں حیثیت، مرتبے اور دولت میں دوسروں سے پیچھے ہیں اگر وہ صبر کریں تو ان کو اگلی دنیا میں زیادہ اجر دیا جائے گا؟ ان سے میری مراد قدیم ادوار کے لونڈی

غلاموں اور موجودہ دور کے تنگدست لوگوں سے ہے۔یعنی کیا اس جہان کی تکالیف اگلے جہان کی راحتوں کا باعث بنیں گی؟۔کیا وہ شخص جو اس جہان میں اپنے آقا کی تابعداری کے ساتھ ساتھ اپنے حقیقی رب کی فرمانبرداری اختیار کرے اور اس کا آقا بھی اسی درجے میں رب کا فرمانبردار ہو تو دونوں میں سے زیادہ مستحق انعام کون ہوگا؟

۲۔ کیا جن لوگوں پر اس جہان میں فضل کیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں ہم جس پر چاہیں فضل کریں، اور وہ فی سبیل اللہ انفاق بھی کریں تو اصولاً ان کے پاس زیادہ موقع ہوا نا اللہ کے اجر کو حاصل کرنے کا، اور جس شخص کا ہاتھ اتنا وسیع نہ ہو کہ وہ اس قدر صدقہ خیرات کر سکے تو اس کے لیے اجر میں صاحب ثروت شخص سے مقابلہ مشکل ہے۔ اگر چہ دونوں متقی بھی ہوں۔اس صورت میں کم مال و دولت والے کو پہلے صاحب ثروت ہونا پڑے گا کہ انفاق فی سبیل اللہ کر سکے؟

۳۔ اور کیا اس نیت پر کہ خدا نے اپنی کتاب میں اس دنیا کی زندگی اور اس کے مال ومتاع کو دھوکے کا سامان قرار دیا ہے، صاحب ثروت لوگ جو دوسروں کی زندگیوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، ترک دنیا کر دیں؟ میں اپنی بات کو مثال سے واضح کر دوں کہ اگر ایک فیکٹری کا مالک اس بات پر اپنی فیکٹری بیچ کر اس کا سارا پیسا خیرات کرتا ہے تو وہ کئی صاحب روزگار لوگوں کے لیے مشکل کا باعث بنتا ہے، اور اس کے برعکس اگر وہ محنت سے کام کرتا، صدقہ خیرات کے ساتھ کاروبار کو بڑھاتا ہے تاکہ مزید لوگوں کو روزگار میسر آئے اور خلق خدا کا فائدہ ہو تو اس کا اپنے مال واسباب کو بڑھانا اس کے لیے وبال تو نہیں ہوگا نا؟

۴۔اور آخری سوال یہ ہے کہ اگر تمام لوگ اپنی مرضی اور رضا کے مطابق اس جہان میں اتارے گئے ہیں اور ہر ایک سے اس کی مرضی کا امتحان لیا جا رہا ہے جس کا بدلہ بھی اس کے موافق ہوگا تو ایک بادشاہ اور ایک غریب بھوکا شخص دونوں ہی اپنے اپنے طریقے کی آزمائش میں ہیں ایسے میں

زیادہ اجر صبر کرنے والے کو دیا جائے گا یا عدل کرنے والے کو؟

حضرت میں جانتا ہوں کہ میرے سوال طویل ہیں۔آپ چاہیں تو ان کا جواب مرحلہ وار ارسال کر دیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں مزید اضافہ فرمائے۔اور آپ کو زندگیاں بدلنے کا ذریعہ بناتا رہے۔آمین

والسلام، جواد احمد نسیم

جواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جزاک اللہ جواد صاحب۔ آپ کے سوالات کے جوابات درج ہیں:

1۔ اس دنیا کی تکالیف اور مصائب اور اسی طرح غربت، معذوری اور محرومی کی ہر قسم آخرت میں بہت زیادہ اجر کا باعث بنے گی۔تاہم کسی خاص شخص یا کسی خاص معاملے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں۔وہ عدل کرنے والے ہیں اور ان کے پاس ہی سارا علم ہے۔ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم میں سے ہر شخص دراصل الگ نوعیت کے امتحان میں ہے۔مثال کے طور پر دولت مندوں کا امتحان زیادہ تر شکر گزاری، عاجزی اور سخاوت کا ہوتا ہے، جبکہ اس کے برعکس غرباء عموماً صبر اور استقامت کے امتحان میں ہوتے ہیں۔جب امتحان کی نوعیت ہی الگ ہے تو مارکس دینے کا معیار بھی مختلف ہوگا۔کم یا زیادہ اجر کا فیصلہ نہ ہم کر سکتے ہیں نہ ہمارا یہ کام ہے۔یہی اطمینان بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ذرہ بھر نیکی کو بھی لکھ رکھیں گے،ان کی نظر سے ہماری کوئی کاوش چھپی ہوئی نہیں۔

2۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، ہر شخص کے امتحان کی نوعیت مختلف ہے۔صاحبِ ثروت تو ہے ہی انفاق وصدقے کے اصل امتحان میں کیونکہ اس کے مال کے زائد حصے پر بہر حال ضرورتمندوں کا حق ہے۔جبکہ ایک کم حیثیت شخص کو شاید کسی اور جگہ آزمایا جا رہا ہو۔اور راہِ خدا میں چند روپے بھی

اسے اس کی نیت وکم مرتبے کے لحاظ سے اللہ کی نظر میں بے انتہا محبوب بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ بے شک سب عادلوں سے بڑا عادل ہے۔ میری ناقص رائے میں غریب آدمی نسبتاً زیادہ آسان امتحان میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی محرومی اسے کم ذمہ داری کا مکلّف بناتی ہے۔ جبکہ امیر شخص کا امتحان زیادہ سخت ہے کہ وہ زیادہ خرچ کر کے ہی اپنے امتحان میں سرخرو ہوسکتا ہے اور ایسا کرنا ہر شخص کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ لیکن وہ یہ کر دے تو ظاہر ہے کہ اجر بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

3۔ آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔ اسلام ہرگز ترکِ دنیا کا حکم نہیں دیتا۔ اصل امتحان دنیا میں رہ کر بھی آخرت کی فکر میں جینا ہے۔ مومن کا وجود کشتی کی طرح ہوتا ہے۔ کشتی کے ہر طرف پانی ہوتا ہے۔ مگر اس کے اندر نہیں ہوتا۔ ہونا بھی نہیں چاہیئے ۔ اسی طرح مومن کے ہر طرف دنیا ہوتی ہے مگر اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ چیزیں اس کے گھر میں آتی ہیں دل میں نہیں۔ مال بینک اسٹیٹمنٹ میں نظر آتا ہے، دل کے بینک میں صرف آخرت کا حساب ہو رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں بھی اس ہی نوعیت سے دنیاوی مال کو کم تر کہتے ہیں۔ کاروبار کو حلال طریقوں پر بڑھانا غلط نہیں بلکہ معاشرے کی ایک خدمت ہے کہ دوسرے لوگوں کو روزگار میسر آتا ہے۔

4۔ اس کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے سوال کا ہے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اور وہ بہترین انصاف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس اصول پر فیصلہ کریں گے وہ یہ ہے کہ جس کو جو پرچہ امتحان دیا گیا تھا اس نے اس کو کس طرح ادا کیا۔ چنانچہ اصل انحصار اس پر ہے کہ کسی خاص شخص نے اپنے امتحان میں کس اخلاص، کس یکسوئی اور کس رویے کا مظاہرہ کیا۔ تاہم اس کے باجود میں اصولی طور پر یہ رائے رکھتا ہوں کہ بادشاہی اور امارت کا پرچہ زیادہ مشکل ہے۔ اس میں ناکامی کا امکان زیادہ ہے۔ اس لیے جو اس میں سرخرو ہوگا، اس کا اجر زیادہ ہونے کا امکان ہے۔، ابو یحییٰ

پروفیسر محمد عقیل

یور ٹائم اسٹارٹس ناؤ

جب ایک طالب علم امتحان دینے جاتا ہے تو اس کی ابتدا اور انتہا کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ کوئی شخص نہ تو اس مقررہ وقت سے پہلے امتحان شروع کرسکتا اور نہ اس مقررہ وقت کے بعد امتحان جاری رکھ سکتا ہے۔

جس طرح دنیوی امتحانات کا ایک وقت مقرر ہے تو اسی طرح آخرت کے امتحان کا بھی ٹیسٹ مقررہ وقت پر شروع ہوتا اور اس وقت کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر غیبت کے ٹیسٹ کا وقت ایک خاتون کے لئے اس وقت شروع ہوتا ہے جب اسے اپنے اردگرد کے ماحول میں لوگوں سے حسد، جلن اور بدگمانی ہو۔ جونہی وہ اس ماحول سے نکل کر ایک دور دراز ملک میں جا کر رہنا شروع کرتی ہے جہاں کوئی نہیں جس سے وہ باتیں کر سکے تو اس ٹیسٹ کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اب اگر اس نے ناموافق حالات میں تو دل کھول کر اپنے مخالفین کی برائی کی۔ لیکن جب اسے تنہائی ملی اور کوئی غیبت کرنے والا نہ ملا تو خاموش ہوگئی اور یہ سمجھنے لگی کہ میں تو غیبت نہیں کرتی تو غلط فہمی کا شکار ہے۔ اس نے غیبت کے ٹیسٹ پیریڈ میں ناکامی کا مظاہرہ کیا اور فیل ہوگئی۔ اب وہ خاموش اس لئے ہے کہ حالات بدل گئے ہیں۔

جس طرح نمازوں کا وقت مقرر ہے، روزے کا متعین وقت ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کا ایک خاص موقع ہے اور حج کا مخصوص موسم ہے ایسے ہی دین کے بیشتر امتحانات کا موقع متعین وقت میں ہی ہوتا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا موقع ان کی زندگی تک ہے موت کے بعد نہیں، عفو درگذر کے ٹیسٹ کا آغاز اسی وقت ہوتا ہے جب کسی کے خلاف غصہ عروج پر ہو، شوہر یا بیوی کے حقوق کی ادائیگی کا ٹیسٹ ازدواجی زندگی کے دوران ہے۔

ہم سب کو چاہئے کہ اپنے اپنے امتحانات اور ان کے اوقات کو پہنچانیں۔ ہم دیکھیں کہ اس وقت ہم کس قسم کی آزمائش میں ہیں اور پھر اسی مناسبت سے اپنی کارکردگی پیش کرنے کی کوشش کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی خاص معاملے مسئلے کے امتحان کا وقت آئے اور گزر بھی جائے لیکن ہمیں پتا تک نہ چلے۔ امتحانی اوقات کو پہچاننا بذات خود ایک آزمائش ہے۔ جو اس آزمائش میں ناکام ہو گیا وہ امتحان میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔

جب آپ کو ہر شخص سے شکایت ہونے لگے
تو دیکھ لیجیے کہ خرابی کہیں آپ ہی کے اندر تو نہیں (ابویحییٰ)

فرح رضوان

رکشے کی پھٹ پھٹ اور سسرال کی جھنجھٹ

ماں جی صحن میں پودوں کو پانی دے رہی تھیں کہ پھٹ پھٹا تا ہوا رکشہ بالکل گھر کے دروازے سے آن لگا۔ دروازے کی جھری سے انہوں نے جھانک کر جو دیکھا تو ماہا کو صبح صبح دیکھ کر انکا ماتھا ٹھنکا۔ اپنی اس بیٹی کی معاملات میں جلد باز، کام میں سست، جی بھر کر خود سر اور نادان طبیعت کے باعث ان کا دل ویسے ہی اس کی طرف سے کھٹکتا ہی رہتا تھا اور بلا کسی پیشگی اطلاع کے صبح صبح یوں رکشہ پکڑ کر آ جانا ویسے ہی کئی سوال اٹھا رہا تھا۔ انہوں نے لپک کر دروازہ کھولا تو ماہا رکشے میں بیٹھی اس کے ڈرائیور سے بحث میں الجھی ہوئی تھی کہ جب وہ کام کرنے نکلا ہے تو اس کے پاس ہزار کا کھلا کیوں نہیں موجود۔ غریب رکشے والا ابھی ان جوابات پر روشنی ڈال ہی رہا تھا کہ ماں جی بڑا سا چادر جیسا دوپٹہ سر پر جماتی سلیقے سے لپیٹے ہوئے باہر آ گئیں بیٹی سے علیک سلیک کے بعد رکشے والے سے بولیں۔ اے بیٹا تم اس پھٹ پھٹی کو تو ذرا دم کے لیے بند کر دو کان پڑی آواز نہیں آتی مجھے تو۔ رکشے والے نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی انجن بند کر ڈالا، اور بڑی ترنگ سے بولا لو امّاں اور حکم؟ ماں جی نے بھی لمحہ ضائع کیے بغیر اسے کہا بیٹا ذرا دیر یہ دروازے کے ساتھ والی بینچ پر بیٹھ جاؤ جب تک چائے پی لو تب تک ملازم قریبی دکان سے کھلے پیسے لے آتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہی ملازم کے ہاتھوں اسے ناشتے کی ٹرے بھجوادی۔ رکشے والے کے تو جیسے بھاگوں چھینکا ہی ٹوٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ ماہا گھر میں موجود بھاوج اور چھوٹے بھتیجے سے ملنے ملانے میں وقت لگاتی ماں جی اس کا ہاتھ تھامے ساتھ والی بیٹھک میں اسے گھسیٹ لائیں اور حیران ہو کر پوچھا سب خیریت تو ہے میری بچی اس طرح کیسے آ گئی؟

ماہانے جواباً بہت ہی فاتحانہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا ''میری نندوں کا تو اپنے سسرال میں دل ہی نہیں لگتا بے بی باجی کے بیٹے کی آج چھٹی تھی تو جھٹ ہمارے گھر آ گئیں، مجھے تو ایسی آگ لگی بغیر کسی سے کچھ کہے رکشہ پکڑا اور ادھر آ گئی۔'' اس کے جواب سے ماں جی کو یہ تو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ آگ لگنا کسے کہتے ہیں، لیکن فی الوقت ان کا غصے سے کھولتا دماغ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان کو زیادہ غصہ ماہا پر آ رہا ہے یا اپنے سسر اور شوہر کے ان تمام تربے جالا ڈ پر کہ جس کی وجہ سے ماہا بڑی ہوتے ہوتے ایسی ہو گئی تھی۔ بہرحال ان کے پاس ان باتوں کا وقت نہ تھا رکشے والے کے ناشتہ ختم ہونے سے قبل ان کو معاملہ نمٹانا تھا۔ انہوں نے کافی سخت لہجے میں اس سے پوچھا تمھاری نند تمہارے گھر آ گئی تو تم اٹھ کر یہاں چلی آئی بغیر یہ سوچے کہ تمھاری آمد پر یہی باہر کھڑا رکشہ پکڑ کر تمھاری بھابھی اپنی ماں کے گھر چلی جائے تو تم کو کیسا لگے گا؟ گھر ہے یا تاش کے پتوں کا گھروندا کہ ایک کو ذرا دھکا لگا تو آخر تک سب گرتے چلے گئے، کبھی زندگی میں اپنی ماں کو مہمانوں سے ایسا برتاؤ کرتے دیکھا ہے؟ یاد رکھنا! مہمان کی تکریم، اس کی عزت ایمان کا حصہ ہے، فون اور ڈراموں سے دھیان ہٹے تو ایمان کو سمجھو ناں تم۔ کچھ دیر اس کے اس عمل سے پیدا ہو جانے والے حالات کی اونچ نیچ سمجھاتی رہیں جب دیکھا کہ بیٹی کو بات سمجھ آ گئی ہے تو...... پھر تھوڑا نرم ہوتی ہوئی بولیں میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہے، کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکے کہ ایک دن تو ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا مہمان بننا ہی ہے سوچو ذرا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مہمان سے اس روز بات بھی نہ کرے غصہ ہو جائے اس کے آنے پر...... ماہانے ان کو بات مکمل نہ کرنے دی اور نم آنکھوں کے ساتھ ماں سے بولی ''ماں جی اب کیا کروں؟''

ماں جی کا چہرہ یک دم کھل اٹھا اسے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے فریزر کی طرف لپکیں، دو پیکٹ سموسے اور کباب کے نکال کر بیٹی کو پکڑا کر بولیں بس یہ سرپرائز اب اپنی ساس اور نند کو کس

طرح دینا ہے یہ تمھارا کام ہے۔ ماہا نے ماں کی بات سمجھتے ہوئے ان کو خوش ہو کر گلے لگایا مدھم سی آواز میں سوری کہا جلدی سے کچن میں کام کرتی بھاوج سے مل کر دروازے کی جانب لپکی۔ ماں جی بھی پیچھے ہولیں۔ رکشے والا پلیٹ میں چمٹا ہوا جام چاٹنے میں مصروف تھا انہیں دیکھ کر کچھ خفگی اور کچھ شکر گزار لہجے میں بولا ''امّاں دیر کرادی تم نے بہوت، اب سواری بھی ملے کہ نہیں اس ٹیم پر۔'' ماہا نے کہا'' ہے سواری...... جہاں سے لیا تھا وہاں واپس بھی جانا ہے۔'' رکشے والے نے یہ سنتے ہی چابکدستی سے رکشے میں بیٹھ کر لیور کھینچ ڈالا......

اللہ تعالیٰ کے ڈھیروں شکر کے ساتھ اس کی حفاظت میں اپنی نگاہوں سے دور ہوتی بیٹی کو دیکھتے ہوئے ماں جی گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے مسکرا رہی تھیں کہ رکشے کی پھٹ پھٹ انہیں زندگی بھر کبھی اتنی سریلی نہ لگی تھی جتنی اس دم لگ رہی تھی۔

عظمیٰ عنبرین/اقصیٰ ارشد

ڈپریشن، تھکاوٹ، بدمزاجی اور وٹامن بی

اگر گھر میں ایک ہی ٹی وی ہو تو تین گروپ بن جاتے ہیں۔ مردوں کو سیاسی ٹاک شوز پسند آتے ہیں، خواتین انٹرٹینمنٹ اور شوبز کے چینل لگانا چاہتی ہیں اور بچے کارٹونز پر پل پڑنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ تینوں کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے یعنی تسکین کا حصول۔ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح وہ لطف، مزا یا تسکین حاصل کر کے اپنے آپ کو ریلیکس کر لیں گے۔ لیکن ہم ایک اہم بات بھول جاتے ہیں۔ تسکین حاصل کرنے کے لئے دو عوامل کا ہونا لازمی ہے۔ ایک تو تسکین کا موقع اور دوسرا تسکین حاصل کرنے کی صلاحیت۔ مثال کے طور پر آپ چاٹ کھا کر لذت حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ساتھ ہی آپ کے منہ کا ذائقہ بخار اور گلے میں درد کی بنا پر کڑوا ہو چکا ہے۔ تو اب آپ چاٹ کھا کر بھی تسکین حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ میں اس سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت موجود نہیں۔

بالکل ایسے ہی ہماری پوری زندگی میں یہ دو عوامل ہونا لازمی ہیں یعنی تسکین کا موقع اور تسکین کے حصول کی صلاحیت۔ ایک بہت ہی خوشی کے موقع پر بھی ایک پاگل یا نفسیاتی شخص محظوظ نہیں ہوسکتا۔ ایک منفی ذہن کا شخص بارش سے لطف اندوز ہونے کی بجائے خوفزدہ ہو جاتا ہے، ایک دولت مند شخص ڈپریشن کے باعث اپنی دولت سے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہوتا ہے وغیرہ۔

ہماری ساری توجہ تسکین کے ذرائع تلاش کرنے پر ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم سکون حاصل کرنے کی صلاحیت پر بھی توجہ دیں تو کم چیزوں میں زیادہ بہتر نتائج مل سکتے ہیں۔ ہمارے سکون کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ منفی سوچ، احساس کمتری، چڑچڑاہٹ، موڈ کی بار بار تبدیلی، ذہنی تناؤ اور ڈپریشن جیسے مسائل ہیں۔ جب تک ان پر قابو نہ پایا جائے ہم کسی طور تفریح تو کیا

ایک نارمل لائف بھی نہیں گزار سکتے۔

ان تمام بیماریوں کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔لیکن ایک تحقیق کے مطابق ہماری سوسائٹی میں اس کی ایک بڑی وجہ کچھ مخصوص وٹامن کی کمی ہے۔اس میں سرفہرست وٹامن بی ہے۔ یہ بات تشویشناک ہے کہ عوام الناس وٹامن بی 12 کی اہمیت سے کماحقہ آگاہ نہیں ہیں، جبکہ نفسیاتی امراض کے سلسلہ میں یہ جزولاینفک کی حیثیت رکھتا ہے وٹامن بی انسانی صحت میں ہاضمے سے لے کر دماغ کی صحت تک کے لیے انتہائی ضروری ہے جبکہ پاکستان میں یہ وٹامن فراہم کرنے والی غذا کی قلت کی بنا پر لوگ بڑے پیمانہ پر اس اہم اور ضروری وٹامن کی کمی کا شکار ہوتے ہیں اور اکثر نفسیاتی بیماریاں اس وٹامن کی کمی کی ہی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔

اگر آپ مندرجہ ذیل علامات سے گزر رہے ہیں تو یہ آپ کے جسم میں وٹامن B 12 کی شدید کمی کا عندیہ ہے:

۱۔ احساسات وجذبات کا غیر معمولی اتار چڑھاؤ۔

۲۔ روزمرہ کے کاموں میں بے رغبتی، خواہ وہ اپنی مرضی ومنشا کے پسندیدہ مشاغل ہی کیوں نہ ہوں۔

۳۔ دماغ کا چکرانا۔

۴۔ سونے کے اوقات کی بے اعتدالی۔

۵۔ سستی و بے ہمتی والا رویہ، ٹینشن، ڈپریشن

۶۔ معمولی سی باتوں پر بدمزاجی اور جھلاہٹ

۷۔ دیگر معاشرتی دباؤ یا پسپائی والی علامات

اس وٹامن کی کمی کو یوں تو ٹیسٹ کے ذریعے معلوم کرایا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس

وٹامن کو زیادہ مقدار میں لے بھی لے تو یہ نقصان دہ نہیں کیونکہ یہ قدرتی طریقوں سے جسم سے از خود خارج ہو جاتا ہے۔ بالعموم نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرنیوالے ڈاکٹرز اس کے بارے میں لوگوں کو ایجوکیٹ نہیں کرتے کیونکہ اس سے ان کی کمائی متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

عام خوراک میں وٹامن کی دستیابی کا بڑا ذریعہ بچھڑے کا جگر ہے۔ کسی حد تک یہ مرغی کے جگر اور انڈوں میں بھی پایا جاتا ہے، مگر ہمارے ملک میں جو برائلر چکن دستیاب ہے جس میں اس وٹامن کی حسب ضرورت مقدار نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مارکیٹ میں وٹامن بی کی سپلمنٹس (ادویات) بھی ملتی ہیں اور انجکشن کی مدد سے بھی یہ کمی دور کی جاتی ہے۔ اس وٹامن کے سالانہ صرف دس انجکشن لگوانا کافی ہیں۔ ہر انجکشن کے بعد ایک دن کا وقفہ اور پھر اگلا انجکشن، اسی طرح دس مکمل کریں۔ کچھ کیسز ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک سال میں ہر تین ماہ بعد ہ کورس کرنا چاہیے؛ اس بارے میں حتمی فیصلہ کوئی ماہر نفسیات یا ڈاکٹر ہی کر سکتا ہے تاہم اس معاملے میں آپ کو انتہائی محتاط اور باخبر رہنے کی ضرورت ہے تاکہ آپ وٹامنز کی کمی سے ہونے والی نفسیاتی الجھنوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (28)

دلائل نبوت و رسالت: صحف سماوی اور یہود و نصاریٰ کی تصدیق

مذہبی تاریخ کی ایک عجیب بات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مذہب کی تاریخ کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہوتا ہے۔ یہ واقعہ انتہائی غیر معمولی ہے، مگر بالعموم اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ لیکن اس کو سمجھ لیا جائے تو آپ کی نبوت کا ثبوت بڑے عجیب طریقے سے دنیا کے سامنے آتا ہے۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل یہود و نصاریٰ دونوں ایک نبی کی آمد کے منتظر تھے کس کا واضح ذکر ان کی کتابوں میں تھا۔ حضور نے یہی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر آپ کے مخاطب یہود و نصاریٰ نے آپ کا انکار کر دیا۔ مگر حیرت انگیز طور پر اس کے بعد پوری عیسائی اور یہودی دنیا نے کسی آنے والے نبی کا انتظار کرنا چھوڑ دیا۔ ان کے مذہبی طبقات آج بھی اپنے اپنے مسیحا کے منتظر ہیں۔ مگر اب وہ ایک نبی کا انتظار نہیں کرتے۔ کیا اس سے بڑا کوئی ثبوت ہوگا کہ حضور ہی وہ نبی ہیں جن کا وہ انتظار کر رہے تھے اور آپ کے آنے کے بعد ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ اب کسی نبی نے نہیں آنا، اس لیے ان کا انتظار ختم ہوگیا۔ تاہم ہماری یہ بات اپنا ایک پس منظر رکھتی ہے، جسے سمجھنا ضروری ہے۔ آیئے اس پس منظر کو سمجھتے ہیں۔

حضور اور حضرت ابراہیم سے شروع ہونے والی مذہبی روایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ایک نبی اور رسول کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ نبوت و رسالت کا دعویٰ معاشرے میں کھڑے ہو کر مذہبی، سیاسی اور سماجی رہنمائی

کرنے سے الگ ایک کام ہوتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو ہدایت کے خدائی نظام کے ایک جز کے طور پر پیش کرنے کا نام ہے۔ خاص طور پر جس دور میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعویٰ کیا، اس دور میں ہزار ہا برس سے جاری نبوت و رسالت کی ایک مدون، مستقل اور مسلسل تاریخ وجود میں آ چکی تھی۔ یہ تاریخ سنی سنائی کہانیوں پر مشتمل نہ تھی بلکہ بعثت کے وقت ڈھائی ہزار برس سے دنیا میں ایک تسلسل کے ساتھ موجود تھی۔ یہ تسلسل اس وقت شروع ہوا جب عراق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ اپنی قوم کو دعوت حق پہنچانے کے بعد حضرت ابراہیم فلسطین میں مقیم ہو گئے۔ ان کی اولاد کا ایک حصہ فلسطین میں آباد ہوا۔ جبکہ دوسرے حصے کو یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں خانہ کعبہ کے پاس بسا دیا گیا۔ عرب انھی کی اولاد تھے۔ ان کا آغاز بھی توحید خالص سے ہوا تھا، مگر چونکہ ان میں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا اس لیے رفتہ رفتہ ان میں شرک جڑ پکڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ڈھائی ہزار برس بعد اس قوم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا۔

حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یوسف کے زمانے میں یہ لوگ فلسطین سے مصر چلے گئے اور رفتہ رفتہ ایک پوری قوم بن گئے۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں اس قوم کو فرعون سے نجات دی گئی اور دنیا کی امامت اور رہنمائی کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد پے در پے بنی اسرائیل میں نبی آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں یہود پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ان کو ان کے منصب امامت سے معزول کر دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ کے پیروکار نصاریٰ کہلائے اور ایک دوسری امت بن گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہ تین گروہ عرب میں موجود تھے۔ ان سب

کے پیچھے ڈھائی ہزار برس کی مسلسل اور متواتر مذہبی تاریخ تھی۔ خاص کر یہود و نصاریٰ کے ہاں تو کتابوں اور نبیوں کا ایک مستقل سلسلہ جاری رہا تھا۔ وہ عربوں سے کہیں بڑھ کر یہ جانتے تھے کہ نبوت کیا ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ان کی کتابوں میں ایک نبی کی پیش گوئی پوری صراحت کے ساتھ موجود تھی۔ وہ صدیوں سے اس نبی کے منتظر تھے۔

نبی کے لیے پچھلی کتابوں کی تصدیق کی اہمیت اور ضرورت

یہی وہ صورتحال تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا۔ آپ کا اعلان نبوت کوئی سادہ معاملہ نہیں تھا۔ نبوت کی اس تاریخ کی موجودگی کی بنا پر آپ پر لازمی تھا کہ آپ خود کو ہدایت کے اس خدائی نظام اور نبوت و رسالت کی اس تاریخ کا حصہ ثابت کریں۔ اس بات کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ آج ایک شخص دعویٰ نبوت لے کر اٹھتا ہے تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والے شخص پر لازمی ہوگا کہ وہ اپنے بارے میں یہ ثابت کرے گا کہ وہ اسی نبوت و رسالت کے نظام کا حصہ ہے جو ہزاروں برس سے چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا فوراً دین اسلام اس کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جائے گا۔

ختم نبوت اور کسی نئے نبی پر ایمان سے قرآن کا خالی ہونا

اسلام کا بنیادی اور اصل ماخذ یعنی قرآن مجید یہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ سلسلہ نبوت پر مہر لگ چکی ہے۔ جس طرح کسی چیز پر مہر یا سیل لگنے کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اسی طرح اب نبوت کے سلسلہ میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے نہ صرف یہ منفی نوعیت کا بیان بالکل واضح طور پر دیا ہے بلکہ جگہ جگہ مثبت طور پر نجات کی شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں نبوت پر ایمان لازمی شامل ہے۔ ان بیانات میں یہ تو واضح

ہے کہ حضور کے ساتھ آپ سے پہلے نبیوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے، لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ آپ کے بعد کے کسی نبی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یا یہ کہ جب نبی آئے گا تو لوگوں کے لیے اس کا ماننا ضروری ہوگا۔ کسی ایک مقام پر صراحتاً تو کجا اشارتاً بھی کسی آنے والے نبی کا ذکر نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی جڑ کاٹ دیتی ہیں کہ حضور کے بعد کسی نبی کی کوئی گنجائش مانی جائے۔ ہاں ایک شخص اسلام کی روایت سے بالکل جدا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو بات اس کی پھر بھی غلط ہی ہوگی لیکن کم از کم اس سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔ تاہم اس سے پھر گفتگو اس کی نبوت پر نہیں ہوگی بلکہ اس بات پر ہوگی کہ اسلام غلط کیسے ہوسکتا ہے اور وہ شخص ہزاروں برس کی نبوت کی تاریخ سے الگ ہو کر نبوت کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے۔ مگر ایک شخص اگر قرآن پر ایمان رکھتا اور اس کو اللہ کی کتاب بھی سمجھتا ہو اور پھر بھی دعویٰ نبوت کرے، یہ بات کسی طور سے کوئی اخلاقی، علمی یا عقلی جواز باقی نہیں رکھتی۔

مصداق کا مفہوم

اس کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضور پوری قوت سے اپنے آپ کو اسی سلسلہ نبوت و رسالت کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں جو حضرت آدم سے چلی آرہی ہے۔ آپ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا تسلسل قرار دیتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو تورات و انجیل میں موجود ان خبروں کا مصداق قرار دیتے ہیں، جن کے مطابق عربوں میں ایک نبی آنا تھا۔

یہاں خیال رہے کہ ہمارے ہاں لوگ مصداق کی اس پیش گوئی کا جو بکثرت قرآن میں آئی ہے یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ حضور پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر ان مقامات پر یہ اس کا مفہوم نہیں ہے۔ سابقہ کتب کے آسمانی کتب ہونے کی تصدیق تو لاکھوں لوگ کرتے ہیں۔ کیا وہ اس بنا پر نبی بن جاتے ہیں؟ کیا کوئی شخص اس تصدیق کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرسکتا

ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ دراصل اس لفظ یعنی مصداق کا وہی مفہوم یہاں مراد ہے جو سورہ سبا آیت 20 میں ابلیس کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ اس نے اولاد آدم کے بارے میں اللہ کے حضور ایک گمان ظاہر کیا تھا کہ ان کی اکثریت ابلیس کی پیروی کرے گی، آنے والے دنوں میں اس نے یہ گمان سچا ثابت کر دکھایا (وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ)۔ یعنی مصداق کا مطلب یہ ہے کہ حضور کی بعثت نے پچھلے صحف سماوی کی پیش گوئیوں کو سچا ثابت کر دیا۔ یا آپ عین ان کے مطابق مبعوث ہوئے یا دوسرے الفاظ میں ان کا مصداق بن کر آئے۔

چنانچہ انفرادی طور پر یہود و نصاریٰ میں سے متعدد لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ حضور کے بعد مشرق وسطیٰ کے تمام یہود و نصاریٰ نے اسی بنیاد پر اسلام قبول کرلیا کہ انھوں نے آپ کے ذریعے سے ان ساری پیش گوئیوں کی تصدیق پالی تھی، جو ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کے اولین مخاطب یہود و نصاریٰ کی راہ میں ان کے تعصّبات حائل ہو گئے۔ مگر انھوں نے ایک دوسرے پہلو سے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی۔ نہ صرف انھوں نے بلکہ باقی مسیحی اور یہودی دنیا نے بھی۔ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہود و نصاریٰ نے اب کسی آنے والے نبی کا انتظار چھوڑ دیا ہے۔

ان کی کتابوں میں آج تک ایک آنے والے نبی کا ذکر ہے۔ اسی بنیاد پر حضور سے پہلے کے یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے۔ مگر حیرت انگیز طور پر یہود و نصاریٰ اب کسی نبی کے منتظر نہیں ہیں۔ یہود کے ہاں ان کے مسیح اور نصاریٰ کے ہاں ان کے مسیح کی آمد کا تصور تو ہے۔ مگر وہ اب کسی نبی کا انتظار نہیں کر رہے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی کتابوں میں آنے والے نبی کی پیش گوئی کے باوجود ان کی پوری تاریخ بھی اس بات سے خالی ہے کہ ان کے ہاں کسی شخص نے اس نبی کے ہونے کا دعویٰ کیا ہو جس کی پیش گوئی کی جا چکی ہے۔

چنانچہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ثبوت ہے کہ آپ سابقہ کتاب کی ہزار ہا برس کی تاریخ میں واحد ہستی ہیں جس نے ان کتابوں میں موجود نبی ہونے کا دعویٰ اور خود کو وہی نبی ثابت کر دیا اور ان پیش گوئیوں کا مصداق بن کر دکھایا جبکہ آپ کے سوا آج تک کسی کو یہ دعویٰ کرنے کی جرات بھی نہیں ہوئی۔

تورات و انجیل کے بیانات

گرچہ سابقہ کتب میں اس پہلو سے بہت تبدیلی کر دی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صریح ترین پیش گوئیوں کو بدل دیا گیا ہے، تاہم بہت سی پیش گوئیاں ابھی بھی ان میں موجود ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم ذیل میں ایسی ہی ایک پیش گوئی تورات اور ایک انجیل سے نقل کر کے یہ بتائیں گے کہ ان کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پہلے ہم تورات کی ایک اہم پیش گوئی کو لیتے ہیں۔

> خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کی مانند ایک نبی برپا کرے گا...... میں ان کے لیے ان کے ہی بھائیوں میں سے تیری (یعنی موسیٰ علیہ السلام) مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا...... پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خدوانداکی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔[استثنا باب 18:22-15]

اس مقام پر نہ صرف حضور کی واضح پیش گوئی کی گئی ہے بلکہ کسی جھوٹے نبی کی پہچان بھی بتا دی گئی ہے۔ پہچان یہ ہے کہ نبی کاذب کی کوئی بات سچی ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ہم

تفصیل سے نبوت کی پچھلی دلیل میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جو پیش گوئیاں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی مغلوبیت اور اپنے اور اپنے ماننے والوں کے غلبے کے حوالے سے کی تھیں وہ آپ کی زندگی ہی میں بعینہٖ پوری ہو گئیں۔

اب ہم اس پیش گوئی میں موجود چند ایسی باتوں کی تفصیل بیان کریں گے جن کا مصداق سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ پہلی یہ کہ آنے والے نبی کے بارے میں بنی اسرائیل کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ نبی ان کے اندر سے نہیں اٹھے گا بلکہ ان کے بھائیوں میں سے اٹھے گا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت اسحاق کے بھائی اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب کے تایا تھے۔ گویا حضرت اسماعیل کی اولاد یعنی عرب حضرت یعقوب کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کے لیے بھائیوں کی حیثیت رکھتی تھی۔ دنیا میں ان کے سوا کوئی اور گروہ ان کے بھائی کہلانے کا مستحق نہیں۔ چنانچہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہود میں ان گنت نبی آئے لیکن عرب یا اسماعیلیوں میں سوائے حضور کے کوئی نبی نہیں آیا۔ اس لیے حضور ہی اس پیش گوئی کا واحد مصداق ہیں۔

دوسری بات یہ کہی گئی کہ عرب ہونے کے باوجود وہ نبی ان یہود کے لیے بھی نبی ہو گا۔ اس بات کی اہمیت یہ ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل عام طور پر اپنی قوم ہی میں نبوت کرتے تھے۔ جبکہ حضور اس پیش گوئی کے عین مطابق اپنی قوم عرب کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی طرف بھی بھیجے گئے۔

حضور اور حضرت موسیٰ

تیسری اور اہم ترین بات یہ بیان ہوئی کہ یہ نبی حضرت موسیٰ کی مانند ہو گا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی خصوصیات کیا تھیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی تھے۔

ان کے علاوہ یہود میں کبھی بھی کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ بھی نہیں۔ یہ صرف حضور تھے جو حضرت موسیٰ کی مانند ایک مستقل شریعت لے کر آئے۔ آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے سامنے آپ کی مخاطب قبطی قوم کی کافر لیڈر شپ یعنی فرعون اور اس کے ساتھی بطور سزا مارے گئے۔ ٹھیک یہی حضور کے ساتھ ہوا کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کی قوم کی کافر لیڈر شپ جنگ بدر میں ماری گئی۔ آپ کا تیسرا وصف یہ تھا کہ آپ کی پوری قوم بنی اسرائیل آپ پر ایمان لے آئی۔ ٹھیک اسی طرح حضور پر بھی آخر کار آپ کی ساری قوم یعنی عرب ایمان لے آئے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے مخاطب وہ لوگ جو آپ کی قوم کے نہیں تھے، یعنی قبطی وہ آپ پر ایمان نہیں لائے۔ حضور کے مخاطبین میں سے بھی وہ لوگ جو آپ کی قوم یعنی عرب سے نہیں تھے یعنی یہود و نصاریٰ وہ آپ پر ایمان نہیں لائے۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ماننے والوں کے ہمراہ دوسرے علاقے میں ہجرت کی اور یہی معاملہ حضور کا رہا۔ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ دونوں انبیا پر ایسی کتابیں اتریں جنھوں نے پچھلی ساری شرائع اور کتابوں کو منسوخ کر دیا اور ایک نئی تاریخ کا آغاز کیا۔ یعنی تورات اور قرآن۔ ان تمام مشترکہ اوصاف کی بنیاد پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد تاریخ میں حضور کے سوا کوئی نبی نہیں آیا جسے ان جیسا کہا جا سکے۔ چنانچہ اسی اہمیت کی بنا پر قرآن نے بھی سورہ مزمل میں اسی پیش گوئی کا حوالہ دیا ہے۔

کلام الٰہی

اس پیش گوئی میں اگلی اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عام انبیا پر وحی اترتی تھی جو وہ اپنے الفاظ میں قوم تک پہنچاتے تھے۔ مگر قرآن میں وحی کے ساتھ الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ اعزاز صرف قرآن

کے حصے میں آیا ہے کہ یہ صرف وحی نہیں بلکہ باعتبار الفاظ بھی کلام رب ہے۔ یہی اس بات کا مطلب ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ پیش گوئی کی اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہ نبی میری باتوں کو میرا نام لے کر پیش کرے گا۔ یہ اشارہ ہے قرآن کے شروع میں لکھی ہوئی ایک مستقل آیت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی طرف۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ کلام اللہ کی سند اور اس کے نام سے پیش کیا جارہا ہے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ خیال رہے کہ یہی وہ دو صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہود و نصاریٰ میں بہت عام تھیں۔ پیش گوئی کی آخری بات یہ ہے کہ جو کوئی میری ان باتوں کو جو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نبی صرف دعوت دے کر رخصت نہیں ہوگا بلکہ یہود و نصاریٰ میں سے جو کوئی اس کی بات نہیں مانے گا حضور اس کے خلاف گواہی دیں گے اور پھر اسی بنیاد پر دنیا و آخرت میں ان کی گرفت ہو جائے گی۔ چنانچہ عرب کے یہود و نصاریٰ پر اسی گواہی یا حساب کی بنا پر ذلت اور جزیے کے عذاب کو بطور سزا نافذ کیا گیا جبکہ آخرت کی پکڑ اس کے علاوہ ہے۔

انجیل کی پیش گوئی

انجیل میں حضور کا ذکر چونکہ بہت کثرت سے اور نام تک لے کر کیا گیا ہے اور اسی کی بنیاد پر خلفائے راشدین کے دور میں عیسائی اکثریت کے جن علاقوں یعنی عراق، شام، فلسطین اور مصر وغیرہ میں جب مسلمان پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان پیش گوئیوں کی تصدیق پا کر اسلام قبول کرلیا۔ تاہم اس کے بعد بائبل اور خاص کر انجیل میں اس حوالے سے بڑے پیمانے پر تحریفات کی گئیں۔ جن کی بنیاد پر حضور کا نام ترجمے در ترجمے کے عمل سے بدل دیا گیا۔ تاہم ابھی بھی انجیل میں ایسی متعدد آیات ہیں جن کی پیش گوئی کا اطلاق سوائے حضور کے کسی پر نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے ایک مقام وہ ہے جب رفع مسیح سے کچھ قبل حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں

سے ایک اہم گفتگو کرتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں۔

اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔ یوحنا باب 17:14

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ یوحنا باب 31:14

اس پیش گوئی میں درج ذیل امور ایسے ہیں جن کا اطلاق حضور کے سوا کسی اور پر نہیں کیا جا سکتا۔ پہلا یہ کہ حضرت عیسیٰ اپنے بعد آنے والے ایک دوسرے مددگار کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ معلوم بات ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سلسلہ نبوت و رسالت کا کوئی فرد بنی اسرائیل میں نہیں آیا۔ بلکہ حضور کے سوا دنیا میں نہیں آیا۔ نبوت کا دعویٰ کچھ لوگوں نے ضرور کیا مگر اول تو وہ ہر پہلو سے جھوٹے ثابت ہوئے ہیں، دوسرے آنے والا حضرت عیسیٰ کے بعد آئے اور ابد تک لوگوں کے ساتھ رہے، یہ وصف تو صرف سرکار دو عالم کا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے بعد تشریف لائے اور قیامت تک اب ان ہی کی نبوت کا زمانہ ہے۔

دوسرا یہ کہ آنے والا دنیا کا سردار ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں حضور کے سوا مذہب کے نام پر اٹھنے والی کون سی ایسی شخصیت ہے جس پر دنیا کے سردار کا اطلاق کیا جا سکے۔ آپ کے پیروکاروں کا دنیا پر غلبہ آپ کی حیات طیبہ میں شروع ہوا اور اگلے بارہ سو برس تک جاری رہا۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ آپ جن لوگوں کے سردار تھے وہی بارہ صدیوں تک دنیا کے سردار یعنی سول سپر پاور بنے رہے۔ ان کے بعد کوئی مذہبی گروپ دنیا کے اقتدار پر نہیں آیا بلکہ سیکولر سوچ رکھنے لوگ اقتدار میں آئے۔ کسی اور مذہبی گروہ کو امامت عالم کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کے سوا آج تک یہ اعزاز کسی مذہبی پیشوا کو نہیں حاصل ہوا کہ وہ دنیا کا سردار کہلائے۔

تیسرا یہ کہ سیدنا مسیح نے یہ فرمایا کہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آنجناب حضور کی طرح ایک رسول ہونے کے باوجود اپنے غلبے اور اپنی قوم پر کفر کا عذاب دیکھے بغیر اس دنیا سے اٹھائے گئے۔ جبکہ ان کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ بھی دیکھا اور اپنے منکرین پر اللہ کا عذاب بھی دیکھا۔ مزید براں وہ خصوصیات جو حضرت موسیٰ کے جیسے ہونے کے پہلو سے پیچھے بیان ہوئیں، ان میں بھی آپ حضرت عیسیٰ سے ممتاز تھے۔ چنانچہ بلاشبہ آپ ہی وہ نبی اور رسول تھے جن کی پیش گوئی سیدنا مسیح نے کی تھی۔

حضور کا تورات و انجیل کی پیش گوئیوں کے مطابق ہونا اتنا قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو آپ کی سچائی کی کوئی اور دلیل نہیں دی۔ بلکہ بار بار صرف یہی بات یاد دلائی گئی ہے کہ حضور ان پیش گوئیوں کا مصداق ہیں جو تمھارے پاس موجود ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس مشرکین کے سامنے حضور کی سچائی کے لیے دلائل کے ڈھیر لگا دیے گئے۔

قرآنی بیانات

''اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے اتاری ہے، مطابق (ان کے پیش گوئیوں کے) جو تمہارے پاس ہیں۔'' (البقرہ 2: 41)

''اور جب آئی ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے مطابق ان پیش گوئیوں کے جو ان کے ہاں موجود ہیں اور وہ پہلے سے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے، تو جب آئی ان کے پاس وہ چیز جس کو وہ جانے پہچانے ہوئے تھے تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس ان منکروں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔'' (البقرہ 2: 89)

''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول ان پیشین گوئیوں کے مطابق آیا جو ان کے پاس موجود تھیں تو ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی، اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے

پھینکا گویا اس سے آشنا ہی نہیں۔'' (البقرہ2 :101)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اتاری ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اس چیز پر تو ہم ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتری ہے اور وہ اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہی حق ہے اور مطابق ہے ان پیشین گوئیوں کے جو ان کے ہاں موجود ہیں۔''

(البقرہ2 :91)

''کہہ دو کہ جو جبریل کا مخالف ہوا تو وہ جان لے کہ جبریل نے اس کلام کو تمہارے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتارا ہے، مطابق ان پیشین گوئیوں کے جو اس کے پہلے سے موجود ہیں اور یہ ہدایت و بشارت ہے اہل ایمان کے لیے۔'' (البقرہ2 :97)

''اور یاد کرو جب کہ خدا نے تم سے نبیوں کے بارے میں میثاق لیا۔ ہر گاہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی، پھر آئے گا تمہارے پاس ایک رسول مِصداق بن کر ان پیشین گوئیوں کا جو تمہارے پاس موجود ہیں تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پوچھا کیا تم نے اس امر کا اقرار کیا اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری تم نے اٹھائی، بولے کہ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔'' (اٰل عمران3 :81)

''اس نے تم پر کتاب اتاری حق کے ساتھ مِصداق اس کی جو اس کے آگے سے موجود ہے۔ اور اس نے تورات اور انجیل اتاری'' (اٰل عمران3 :3)

''جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا وہی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے۔'' (انعام6 :20)

''اور یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اتاری بابرکت، مصداق اپنے سے پہلے کی چیز کی (تا کہ تو خوش خبری دے) اور تا کہ ہوشیار کر دے ام القریٰ اور اس کے اردگرد والوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہی اس پر ایمان لائیں گے اور وہی اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں''

(انعام 6: 92)

''اور یہ کہتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس سے ہمارے لیے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے! کیا ان کے پاس اگلے صحیفوں میں جو کچھ مذکور ہے اس کی دلیل نہیں پہنچی!'' (طہ 20: 133)

''اور ہم نے تمہاری طرف جو کتاب وحی کی ہے، یہی حق ہے، ان پیشین گوئیوں کی مصداق جو اس کے پہلے سے موجود ہیں۔ بے شک اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے'' (فاطر 35: 31)

''ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اکڑتے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں! بلکہ وہ حق لے کر آیا ہے اور وہ رسولوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق ہے۔'' (صافات 37: 37-35)

''محمد، اللہ کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع و سجود میں سرگرم پاؤ گے۔ ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ہے۔ ان کی یہ تمثیل تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کو سہارا دیا، پھر وہ سخت ہوئی پھر وہ اپنے تنہ پر کھڑی ہو گئی کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی تا کہ کافروں کے دل ان سے جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے مغفرت اور ایک اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔'' (فتح 48: 29)

''جو پیروی کریں گے اس نبی امی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''، (اعراف 7: 157)

''ہم نے تم لوگوں کی طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہ بنا کر جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔'' (مزمل 73: 15)

ذیل میں چند وہ مقامات ہیں جن میں حضور نے یہود و نصاریٰ پر ذلت، مغلوبیت اور عذاب کی

پیش گوئی کردی جو آپ کی عین حیات میں پوری ہوگئی تھی۔

'اوراگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا۔ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں۔وہ تمہیں تھوڑی سی زبان درازی کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھائیں گے۔پھر ان کی کوئی مدد بھی نہیں ہوگی۔ (اٰل عمران3 :110-111)

''ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ہے یہ کہہ دو کہ تم مغلوب ہوگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔'' (اٰل عمران3 :12)

''ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے ،جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔''(توبہ 9 :29)

قرآن مجید کے آغاز ہی میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ نجات کے لیے حضور اور ان سے قبل کتاب اور نبی کو ماننا ضروری ہے۔کسی نئے نبی پر ایمان نجات کا کوئی مطالبہ نہیں۔

''الف، لام، میم۔یہ کتاب الٰہی ہے۔اس کے کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ان لوگوں کے لیے جو غیب میں رہتے ہوئے (اللہ پر) ایمان لاتے ہیں۔اور نماز قائم کرتے ہیں۔اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔اور ان کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر اتاری گئی ہے اور جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے۔اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''(البقرۃ2 :1-5)

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے'' (احزاب33 :40)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (31)

آسمان پر گھنے بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔ اچانک ہی تیز بارش شروع ہو گئی۔ بارش میں سبز پہاڑ گویا نہا رہے تھے اور بارش کے یہی قطرات سمندر میں بھی تلاطم پیدا کر رہے تھے۔ کچھ دور جا کر ہم سمندر سے دور ہونے لگے۔ اب ہم سبز دریا کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ یہ "چارشمبا" کا قصبہ تھا۔ یہاں لکڑی کی بنی ہوئی ایک مسجد تھی جس کا سن تعمیر 1206ء تھا۔ اس مسجد کا نام " گوک چیلی مسجد" تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی تعمیر میں دھات کا کوئی کیل استعمال نہ ہوا تھا۔

میں نے تو جیسے تیسے ناشتہ کر لیا تھا مگر میری اہلیہ اور بیٹی نے صحیح طور پر ناشتہ نہ کیا تھا۔ کسی متوقع ہنگامے سے بچنے کے لئے میں نے ایک پٹرول پمپ پر واقع ریستوران پر گاڑی روک دی۔ یہ ایک نہایت ہی خوبصورت مقام تھا۔ سبز پہاڑوں کے دامن میں کھیتوں کے درمیان یہ ریستوران بنا ہوا تھا۔ کھانے میں ترک کباب ملے جو کہ واقعتاً بہت مزیدار تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم کسی متوقع ہنگامے سے محفوظ رہے۔

یہاں کے پٹرول پمپ پر گاڑیوں کی صفائی کا عجیب طریقہ نظر آیا۔ گاڑیوں کو دھونے کے بعد ایک اسٹیشن پر لایا جا رہا تھا جہاں بہت بڑے بڑے آٹو میٹک برش گھوم کر اس کی صفائی کر رہے تھے۔

کھانا کھا کر ہم روانہ ہوئے۔ اب ہم ساحل سے کچھ دور ہو چکے تھے۔ اگلا شہر "انیے" تھا۔ یہاں سمندر سڑک کے بالکل ساتھ لگا ہوا تھا۔ ایک جگہ سڑک کے بیچ میں کوئی کام ہو رہا تھا اور ٹریفک کو ایک طرف کرنے کے لئے ایک پولیس اہلکار کسی پنجابی ہیرو کی طرح سینہ تانے اور ہاتھ میں گنڈاسے کی بجائے ڈنڈا پکڑے سڑک کے بیچ میں کھڑا تھا۔ یہ ایکسپریس وے تھی مگر عجیب

بات یہ تھی کہ اس پر بھی جا بجا سگنل بنے ہوئے تھے۔اس پوری سڑک کے نیچے سے گزر کر بہت سے مقامات پر بے شمار ندی نالے سمندر میں مل رہے تھے۔اسی تازہ پانی کی بدولت بلیک سی آباد تھا۔

سڑک کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہورڈنگز لگی ہوئی تھیں جن پر ایک نہایت ہی غمگین صورت صاحب کی تصویر تھی۔ان کا نام احمد یلماز لکھا ہوا تھا۔ ان کی اس مغموم صورت نے پورے ترکی میں ہمارا پیچھا کیا۔ جہاں جہاں ہم گئے، وہاں وہاں انہوں نے ہمارے استقبال کے لئے ہورڈنگز لگوا رکھی تھیں۔ چونکہ یہ ہورڈنگز ترکی زبان میں تھیں،اس وجہ سے اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ صاحب کون ہیں۔میرا خیال ہے کہ یہ ان کے کوئی سیاستدان وغیرہ ہوں گے۔ بعد میں انٹرنیٹ پر تلاش کیا تو ڈھیروں احمد یلماز نکل آئے جن کی صورتیں اتنی غمگین نہ تھیں۔

انیے سے باہر نکلتے ہی ایک اور عجیب منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔سڑک اور سمندر کے درمیان ایک سرسبز پٹی حائل ہو چکی تھی جس پر لوگوں نے کیمپنگ کی ہوئی تھی۔اگلا شہر "فستا" تھا۔ یہاں سے سڑک سمندر سے ہٹ کر پہاڑوں کے بیچ میں جا رہی تھی۔اب سرنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ہم ایک سرنگ سے نکلتے تو دوسری میں جا گھستے۔ ہر سرنگ کے آغاز میں اس کی طوالت درج تھی۔ایک سرنگ تو چار کلومیٹر طویل ثابت ہوئی۔اس سے باہر نکلتے ہی ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ آج جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت قریب آ رہا تھا۔ہم لوگ اب اگلے شہر کے قریب پہنچ رہے تھے۔

اردو میں نماز جمعہ

قارئین کے لئے یہ بات حیرت کا باعث ہو گی کہ ہم نے نماز جمعہ،اردو میں ادا کی۔ بے فکر رہیے، ہم نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی۔ یہاں اردو سے مراد،اردو زبان نہیں بلکہ اردو شہر ہے۔اب ہم

"اردو" شہر پہنچ چکے تھے جو کہ بلیک سی کے کنارے ایک صاف ستھرا خوبصورت شہر تھا۔ یہاں سمندر کے کنارے ایک مسجد بنی ہوئی تھی جہاں سے اذان کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ مسجد کے قریب بہت سی گاڑیاں رکی ہوئی تھیں۔ میں بھی وضو کر کے مسجد میں چلا گیا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ اہم ترین فریضہ انجام دینا تھا۔

ہمارے ہاں بعض لوگ نماز کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے طرح طرح کے فلسفے ایجاد کرتے ہیں۔ ہمارے ایک ملنے والے جو کہ امت مسلمہ کے مسائل پر فلسفے جھاڑنے کے بہت شوقین ہیں، ایک دن عین نماز کے وقت اپنا وعظ شروع کر بیٹھے۔ انہوں نے اپنے دفتر کا ایک واقعہ بیان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ لوگ نماز کو بہانہ بنا کر کام نہیں کرتے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ دونوں انتہائیں ہیں۔ بعض لوگ نماز کو بہانہ بنا کر کام چوری کرتے ہیں، یہ ایک انتہا ہے جبکہ بعض لوگ نماز کو کم اہم سمجھتے ہوئے سرے سے اسے ادا ہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرائض میں سب سے زیادہ اہمیت نماز ہی کو دی ہے۔ ہمیں ان دونوں انتہاؤں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور نماز کے لئے حاضر ہونا چاہیے۔

ترکی کی مساجد کا اندرونی حصہ بہت سے تیز رنگوں والے نقش و نگار سے مزین ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سعودی عرب کی مساجد کا اندرونی حصہ سادہ رکھا جاتا ہے۔ سعودی عرب کی طرح ترکی کی مساجد کا انتظام بھی حکومت کی جانب سے کیا جاتا ہے۔

امام صاحب نے خطبہ ترکی زبان میں دیا جس کا کچھ حصہ عربی میں تھا۔ عربی حصے سے معلوم ہوا کہ خطبے کا موضوع رمضان کی تیاری اور شعبان کے فضائل تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ترکی میں مساجد کے ائمہ کو اظہار رائے کی مکمل آزادی ہے مگر وہ لوگ اس آزادی کا غلط استعمال نہیں کرتے اور اپنے خطبات میں فرقہ واریت پھیلانے کی بجائے معاشرے کی اصلاح کو اپنا موضوع

بناتے ہیں۔ تخلیقی عمل کے لئے آزادی اظہار کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ ایک تخلیقی شخص اس وقت تک اعلیٰ درجے کی تخلیق نہیں کرسکتا جب تک کہ اسے اس بات کا یقین نہ ہو کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، اسے کہنے کی آزادی مجھے حاصل ہے۔

موجودہ دور میں مغربی ممالک اس معاملے میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کا میدان ہو یا ادب کا، اعلیٰ درجے کی تخلیقات ان ہی کے ہاں ہوا کرتی ہیں۔ ان کے ہاں آزادی اظہار کا یہ عالم ہے کہ امریکی پالیسیوں کے سب سے بڑے ناقد نوم چومسکی کو امریکی شہریت حاصل ہے اور وہ وہاں آزادی سے رہ رہے ہیں۔ ہم لوگ چونکہ اس میدان میں پیچھے ہیں، اس وجہ سے ہمارے تخلیقی صلاحیت رکھنے والے افراد مغربی ممالک میں جا بسنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہاں انہیں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے مواقع میسر ہوا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام انسان کی اظہار رائے کی آزادی کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ اس آزادی کی حدود یہ ہیں کہ ہم دوسروں کی آزادی میں دخل اندازی نہ دیں اور ان کی دل آزاری نہ کریں۔

اردو ایک قدیم شہر ہے۔ یہاں انسانی آبادی کے آثار 3000 قبل مسیح سے ملتے ہیں۔ یہ علاقہ خاص قسم کے نٹس کی پیداوار کے لئے مشہور ہے جنہیں "ہیزل نٹس" کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے اردو زبان میں کوئی نام موجود نہیں ہے۔ یہاں جولائی میں ان نٹس کی نمائش بھی ہوتی ہے جو اس وقت ختم ہو چکی تھی۔

[جاری ہے]

ہمیں زندگی کے مسائل برے لگتے ہیں مگر
بڑی ترقی بڑے مسائل کے بغیر نہیں ملا کرتی (ابویحییٰ)

پروین سلطانہ حناؔ

غزل

جنھیں ہم جان کہتے تھے انہی نے مان توڑا ہے
چھپا جو آرزو میں تھا وہی ارمان توڑا ہے

خلوص و درگزر، ایثار و الفت، ہے مری فطرت
تمہاری بے حسی نے یہ سروسامان توڑا ہے

محبت ضرب دو، تقسیم کر دو، اور پھیلا دو
یہ دستورِ محبت تم نے میری جان توڑا ہے

نئے رشتوں کو پا کر تم پرانے سب بھلا بیٹھے
یہ دل توڑا نہیں، اک قیمتی انسان توڑا ہے

محبت کی فضا میں سانس لیتے اور جیتے تھے
ہمیں چھوڑا نہیں تم نے ہمارا مان توڑا ہے

ندا آئی ''چلو اللہ کی جانب'' میں اٹھ بیٹھی
نمازِ فجر ہی چھوڑی نہ یہ فرمان توڑا ہے

نہیں بدلہ مگر احسان کا احسان ہی تو ہے
مگر تم نے تو یہ قرآن کا فرمان توڑا ہے

خدا کے نام کی تم لاج رکھ لیتے ضروری تھا
قسم توڑی نہیں تم نے مگر ایمان توڑا ہے

حناؔ اپنوں کی چاہت پر بڑا، ایقان رکھتی تھی
مگر بے رحم دنیا نے یہی ایقان توڑا ہے

ابویحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

ابویحیٰ کی کتاب

قرآن کا مطلوب انسان

ہدیہ 300 روپے

مسلمانوں کی تاریخ کے تمام اہل علم اول تا آخر، سلف تا خلف سب اس پر بات متفق ہیں کہ دین کی تمام تر جدوجہد کا آخری مطلوب و مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں اس کی جنت کا حصول ہے۔ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کو اس طرح کھول کر بیان کرتے اور اتنا دہراتے ہیں کہ اس میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وہ اس مقصود کو سامنے ہی نہیں رکھتے بلکہ بار بار یہ بھی بتاتے ہیں وہ کیا راستہ ہے جس کی یہ منزل ہے۔

''قرآن کا مطلوب انسان'' اسی راستے کا بیان ہے۔ قرآن مجید بالکل واضح ہے کہ یہ راستہ سیدھا جنت تک جاتا ہے۔ اب مجھے اور آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ اس راستے کو اپنی زندگی بنالیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر روز اس کتاب کے دو چار صفحات پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ قرآن کے الفاظ اور سیرت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی تاثیر ہے کہ اگر ہم انہیں پڑھتے رہے تو یہ خود ہی ہماری زندگی بن جائیں گے۔ اس کے ساتھ اگر روزانہ قرآن مجید کی تلاوت و ترجمہ ہمارا معمول بن جائے تو ہم کبھی کسی فکری اور عملی گمراہی کا انشاءاللہ شکار نہ ہوں گے۔

اگر آپ کی زندگی کا مقصود جنت ہے تو آپ پورے اعتماد سے اس راہ پر قدم رکھ دیجیے۔ انشاءاللہ آپ لازماً جنت کی منزل تک پہنچ کر رہیں گے۔